سیرۃ النبی ﷺ شبلی نعمانی میں روایاتِ طبری
(ایک تجزیاتی مطالعہ)

کلیم صفات اصلاحی*

مؤرخ اسلام، علامہ شبلی نعمانیؒ کے اواخر زندگی کا عظیم و مہتم بالشان اور اپنے زمانہ کا منفرد کارنامہ ''سیرۃ النبی'' (جلد اول و دوم) جس کی علمی، تحقیقی، ادبی اور سب سے بڑھ کر اس کی تصنیفی عظمت وشہرت کا دائرہ اقصائے عالم کو محیط ہے، اردو زبان جہاں بھی پڑھی، لکھی اور بولی جاتی ہے وہاں شاید ہی کوئی کم از کم سیرۃ النبی کے نام سے ناواقف ہو اور کیوں نہ ہو یہ اس ہستی کی حیاتِ طیبہ کے اوراق زندگی کی تفصیلات ہیں، جس کے سر پر بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کا سہرا اور تاج لولاک ہے، ورفعنا لك ذكرك کی قرآنی بشارت کے تحت کائنات کے چپہ چپہ پر جس کا ذکر ہو رہا ہے، یہ اس انسان کامل کا اردو زبان وادب میں مستند ومعتبر تذکرہ ہے، اس کی ہر عبارت، ہر سطر بلکہ اس کا ہر لفظ عربی کے مستند مآخذ سے ماخوذ و مستنبط ہے، اس مایۂ ناز و بے نظیر کتاب میں قرآن مجید، صحاح ستہ کی روایات صحیحہ، کتب سیر و مغازی میں، ابن اسحٰق، ابن ہشام، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ، ابن سعد، امام بخاری، عروہ بن زبیر، شعبی، وہب منبہ، ابو معشر نجیح، عبداللہ بن جعفر، المدائنی، علی بن مجاہد، زیاد بن عبداللہ بن الطفیل البکائی، سلمہ الفضل الابرش، ابو محمد یحییٰ انصاری، محمد بن عمر الواقدی، یعقوب زہری، عبدالرزاق بن ہمام اور محمد بن عیسیٰ ترمذی وغیرہ جیسے متقدم علمائے سیر اور عبدالرحمٰن سہیلی، عبدالمومن دمیاطی، علاؤ الدین خلاطی، گازرونی، مغلطائی، حافظ ابو سعید عبدالملک نیشاپوری، ابن جوزی، ابو الربیع سلیمان الکلاعی، ابن عبدالبر، ابن سید الناس، زین الدین عراقی، قسطلانی اور مصنف سیرت حلبی وغیرہ جیسے متاخر سیرت نگاروں کی تحقیقات عالیہ سے تعرض کیا گیا ہے، فن اسماء الرجال، فن حدیث و سیر، اصول روایت و درایت کی روشنی میں سوانح رسول کی جانچ پڑتال کی گئی ہے اور اس بات کا خصوصی التزام کیا گیا ہے کہ کوئی واقعہ، کوئی بات حوالوں کے استناد کے بغیر نہ کہی جائے، پھر سیرت پر تبصرہ کے دوران امہات کتب وحدیث و سیرت اور ان کے باہمی فرق ومراتب پر بحث، تصانیف سیرت میں کتب حدیث کی طرف سے بے اعتنائی، مصنفین سیرت کی تدلیس، روایت میں اختلاف ومراتب، معیار شہادت، کم سن راویوں کی روایتوں کے قبول

* رفیق دارالمصنفین، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا۔

وعدم قبول، فن تاریخ و روایت پر خارجی اسباب کے اثرات، قیاس و درایت اور محدثین کے طریقہ درایت، روایت بالمعنی اور روایت احاد کی اہمیت وحیثیت، اس کے بعد یورپین مصنفین کی سیرت نگاری اور اس سلسلے میں ان کے طرز فکر کا تنقیدی جائزہ ان کی تصنیفات سیر کو پیش نظر رکھ کر لیا گیا ہے۔

ظاہر ہے جس کتاب کی تصنیف وترتیب میں اس کے مالہ و ماعلیہ کے تمام قابل لحاظ پہلوؤں کا بہ شدت احتیاط خیال رکھا گیا ہے، اس کے مستند ہونے میں کیا شبہ کیا جاسکتا ہے، یہاں یہ بات بھی بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ جس کارنامہ کا دائرہ اس قدر وسیع و بسیط ہو اس میں تھوڑی بہت بہ تقاضائے بشری چوک کا ہونا بھی لازمی ہے، اس کو تسلیم نہ کرنا خلاف انصاف ہے۔

تمام باتوں اور حوالوں سے قطع نظر یہاں تاریخ اسلام کی معتبر کتاب تاریخ الانبیا والرسل والملوك جو سیرت کے ایک مستند ماخذ کی حیثیت سے بھی تسلیم کی جاتی ہے، معتبر متقدمین ومتاخرین سیرت نے اپنی تحقیقات میں اس سے استناد کیا ہے اور اس سلسلے میں اس کی اہمیت بھی تسلیم کی ہے، علامہ شبلیؒ نے اس کی سرف خصوصی اعتنا کیا اور بہ طور ماخذ اس کا استعمال سیرۃ النبی کے صفحات میں جگہ جگہ نظر آتا ہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن و صحاح ستہ کو چھوڑ کر کتب مغازی وسیر میں سب سے زیادہ حوالے طبری سے ماخوذ ہیں تو بے جا نہ ہوگا، اس کے اسباب کیا تھے، اس کی تحقیق ہمارے موضوع سے خارج ہے اور الگ مضمون کی متقاضی ہے، یہاں محض یہ دکھانا ہے کہ علامہ شبلی اور بعض دوسرے محققین کی نظر میں امام طبری کا مقام ومرتبہ کیا تھا اور سیرت النبی میں اس کی جو روایتیں استعمال کی گئی ہیں وہ کس پایہ کی ہیں، کیا بلا بحث وتحقیق کے سب لے لی گئی ہیں یا جرح وتعدیل یا اصول درایت کی روشنی میں چھان پھٹک کر ان کو لیا گیا ہے، یہ اور اس قسم کے مباحث سے قبل مختصراً امام طبری کے حالات کا ذکر مناسب رہے گا۔

مختصر حالات امام طبری:

امام ابوجعفر طبری کا پورا نام محمد بن جریر ہے، ابن خلکان نے ان کا شجرۂ نسب درج ذیل تحریر کیا ہے:

''ابوجعفر جریر بن یزید بن خالد الطبر ی''(۱)

امام طبری تیسری صدی ہجری کے اوائل ۲۲۵ھ میں طبرستان کے مشہور شہر آمل میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا، سن رشد کو پہنچنے کے بعد والد بزرگوار کی اجازت سے آمل، رے اور اس کے قرب وجوار کے مشائخ سے کسب فیض کیا، پھر کوفہ، مصر، فسطاط اور شام وغیرہ کی خاک چھانی، ان کے مشہور اساتذہ میں محمد بن حمید الرازی، مثنیٰ بن ابراہیم الایلی، احمد بن حماد دولابی، محمد بن بشار، ہناد بن السری،

ابوکریب محمد بن العلا الہمدانی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، صاحب معجم الادباء نے ان کے حصول علم کے شوق اور ان کی محنت کا یہ حال لکھا ہے کہ طبری بہ یک وقت رے اور جوار رے دونوں علاقوں کے شیوخ واساتذہ سے استفادہ کرتے تھے، احمد بن حماد دولابی سے جو جوار رے میں مقیم تھے، ختم درس کے بعد دوڑ کر رے آتے اور وہاں کے مشائخ کے دروس میں شریک ہوتے ،(۲) حصول علم کا یہ شوق بہت کم لوگوں کے حصہ میں آیا۔

تحصیل علوم کے بعد وطن طبرستان آئے ،طبرستان میں اس وقت رفض وتشیع کا بہت زور تھا اور حضرات اجلۂ صحابہ پر سبّ وشتم اور لعن طعن کا سلسلہ جاری تھا، اس لیے ابن جریر نے حضرات شیخین کے فضائل ومناقب بیان کرنا شروع کر دیا، جس کے بعد حکومت وقت مخالف ہوگئی، نتیجۂ امام طبری ترک وطن کر کے بغداد چلے گئے اور وہاں ساری زندگی علمِ دین کی خدمت میں گزاردی، طبری کے علمی مقام ومرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے حکومت نے وزارت، سرکاری مناصب، عہدۂ قضا اور دولت وثروت سے مالا مال کرنا چاہا مگر خود دار اور غیور طبیعت نے ان کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا، ابن خلکان کی روایت کے مطابق بروز ہفتہ دن کے آخری حصے میں علم وفضل کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے گل ہوگیا، ۲۶/شوال ۳۱۰ھ میں سرزمینِ بغداد میں اپنے گھر ہی میں دفن ہوئے۔(۳)

توفی یوم السبت آخر النهار ودفن یوم الأحد فی داره فی السادس والعشرین من شوال سنة عشر وثلث مائة ببغداد، رحمه الله تعالیٰ۔

روایات سیرت سے خصوصی دلچسپی:

اہل علم واقف ہیں کہ امام طبری کو انبیا ورسل کی تاریخ سے خاص دلچسپی تھی، تاریخ طبری کا ایک ایک صفحہ اس کا گواہ ہے، تاریخ طبری کی پہلی جلد کو چھوڑ کر دوسری، تیسری اور چوتھی جلد کے اکثر صفحات کا تعلق خاص سیرت نبوی سے ہے(۴) اگر ان کے اس کارنامے کو ان کے والد ماجد کے خواب کی تعبیر کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا، صاحب معجم الادبا نے امام طبری کی زبانی لکھا ہے کہ وہ ابھی نو برس کے تھے کہ ان کے والد نے خواب میں اپنے فرزند ارجمند کو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر باش دیکھا کہ ان کے پاس پتھروں سے بھرا ہوا ایک توبرا (جھولا) ہے، اس توبرے سے پتھر نکال کر وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پھینک رہے ہیں، معبر نے خواب کی تعبیر بتائی کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر دین وشریعت کا بڑا حامی ہوگا، چنانچہ میرے والد نے میرے بچپن ہی سے میری تعلیم کی خصوصی جانب توجہ دی،وانا ابن تسع سنین ورأی لی ابی فی النوم اننی بین یدی رسول الله صلی الله علیه وسلم وکان معی مخلاة مملوئة حجارة وأنا أرمی بین یدیه فقال له المعبر أن کان کبر نصح فی دینه وذب عن شریعته فحرص أبی علی معونتی علی طلب العلم وأنا حینئذ صبی صغیر۔

یہ خواب گو تمام انبیائے کرام بالخصوص رسول اللہ ﷺ اور ان کی سیرت سے عشق و محبت کی تمہید بنا اور یہ اسی روحانی فیض کا اثر تھا کہ جس نے بعد میں طبری کو علم حدیث و سیرت اور قرأت میں مقام خاص عطا کیا اور تاریخ طبری جیسی شہرۂ آفاق تصنیف منصۂ شہود پر آئی۔

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام طبری تفسیر و قرآنیات اور تاریخ اسلام و سیرت رسول کے زبردست، معتبر اور مستند عالم تھے، ان کے علمی و تصنیفی متروکات اس کے شاہد ہیں، ابن خلکان نے ان کو ثقہ، تاریخ و نقل روایات کے مستند علما اور ائمہ مجتہدین میں شمار کیا ہے۔ (۵)

صاحب معجم الادبا نے فرغانی کی کتاب الصلہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کی وفات ۸۶ سال کی عمر میں ہوئی اور انہوں نے اپنی تصنیفات کے جس قدر اوراق چھوڑے ہیں، اگر ان کا حساب کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ روزانہ چودہ ورق تحریر کرتے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و احسان کا کرشمہ ہے۔ (۶)

تاریخ طبری کا مقام و مرتبہ اور اس کے مآخذ:

آنحضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کے بنیادی اور اہم ماخذ میں قرآن مجید، کتب احادیث، کتب مغازی و سیر کے ساتھ کتب تاریخ بھی ہیں، قدما کی تحریر کردہ کتب اسلامی اگرچہ بنیادی طور پر سیرت کی کتابیں نہیں ہوتیں بلکہ اصلاً وہ اسلامی دنیا کے حکمرانوں، اہم تاریخی شخصیات اور مسلم ملکوں کے حالات و وقائع کو بیان کرنے کا ذریعہ ہوتی ہیں، تاہم مؤرخین نے اسی کے ساتھ آغاز اسلام کے مبارک ذکر میں شارع علیہ السلام کی حیات طیبہ اور ان کے کارنامہ ہائے زریں کو ضبط تحریر میں لانے کا اہتمام بھی کیا اور نتیجۃً آنحضور ﷺ کے سوانح حیات کہیں مختصراً اور کہیں تفصیلاً مذکور ہوئے ہیں، مثلاً ابن اثیر، تاریخ یعقوبی، ابوالفداء، ابن کثیر، تاریخ اسلام، ذہبی مروج الذہب، ابن خلدون وغیرہ جیسی بلند پایہ کتابیں بنیادی طور پر تاریخ کے موضوع سے متعلق ہیں لیکن ان میں سوانح رسول بھی ہیں، تذکرہ سیرت میں ان کتابوں کو ماخذ و مصدر کی حیثیت بلا شبہ حاصل ہے، البتہ ان کا پایہ کتب حدیث و سیر کو یقیناً نہیں پہنچ سکتا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان تاریخی کتب کے مآخذ کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اکثر مآخذ کتب احادیث و مغازی و سیر کی مستند اور مشہور کتابیں ہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ جمہور محققین و ماہرین سیرت نے اپنی تحقیقات سیرت میں ان کتابوں سے استفادہ کیا ہے، ان ہی مصادر سیرت میں ''تاریخ طبری'' بھی ہے، طبری نے اپنی تاریخ کے لیے ضروری مواد زبانی روایات سے جمع کیا تھا، جس کے لیے انہیں دور دراز مقامات کے سفر کرنے پڑے، اس کے علاوہ انہوں نے ادبی ماخذ و مصادر کو بھی استعمال کیا، مثلاً ابومخنف کی کتاب، عمرو بن

شیبہ کی کتاب ''اخبار اہل بصرہ'' وغیرہ، اس کے علاوہ سیرت ابن اسحٰق، واقدی، ابن سعد اور ہشام الکلبی کی تصانیف سے استفادہ جا بجا دکھائی دیتا ہے۔(۷) چنانچہ طبری کے سیرت سے متعلق روایات و مشمولات کا اگر بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ کی ترتیب و تبویب اور حصول مواد میں طبری نے بڑی عرق ریزی، محنت اور پوری دلجمعی سے کام لیا ہے، یہ حصہ خاصا طویل تقریباً ڈھائی جلدوں پر مشتمل ہے، ڈاکٹر محمود الحسن کی بھی تحقیق یہی ہے، ان کے مطابق طبری نے ولادتِ باسعادت سے وفات تک چھوٹے بڑے تمام واقعات کو قلم بند کیا اور جو بھی روایت جہاں سے ملی نقل کر دی، اس حصہ کا بیشتر ماخذ قرآن و حدیث اور سیرت و مغازی کی وہ کتابیں ہیں جو پہلی صدی ہجری میں تصنیف کی گئی تھیں، عروہ بن زبیر، ابن شہاب زہری، محمد بن اسحٰق، معمر بن راشد، واقدی جیسے جلیل القدر مؤرخین و سیرت نگاروں کی روایات کو امام طبری نے اپنا ماخذ بنایا ہے، در اصل امام طبری کی قابل تعریف کوششوں کا نتیجہ ہے کہ بہت سی نایاب کتابوں کے ٹکڑے زمانہ کے دست برد سے محفوظ رہ سکے۔(۸)

طبری کے مواد، ماخذ اور اس کی خصوصیت کے متعلق ڈاکٹر انور محمود خالد کا یہ بیان قابل توجہ ہے:

''تاریخ طبری کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے حالات ایسے مواد پر مشتمل ہیں جو براہ راست قدیم ترین ماخذ سے حاصل کیا گیا ہے، اسی لیے طبری کے بعد کے مؤرخین مثلاً ابن اثیر، ابن خلدون اور ابو الفدا وغیرہ نے اس کتاب کو اپنی تصانیف کا ماخذ بنایا ہے۔''(۹)

علامہ شبلیؒ کی نگاہ میں امام طبری و تاریخ طبری کا مرتبہ:

قدیم سوانح نگاروں کے طبری اور ان کی تاریخ کی استنادی حیثیت کے متعلق مذکورہ معلومات کے بعد اب مصنف سیرۃ النبی کی اس ضمن میں رائے نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، مولانا شبلی فرماتے ہیں:

''تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے، طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال، وثوق اور وسعتِ علم کے معترف ہیں...... محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ میں دنیا میں ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔''(۱۰)

بعض محدثین نے ان پر شیعوں کے لیے حدیث وضع کرنے کا الزام لگایا ہے لیکن علامہ ذہبی نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ امام ابن جریر کے متعلق صریح بدگمانی ہے، وہ مسلمانوں کے معتبر اور مستند امام ہیں،

''هذا رجم بالظن الكاذب بل ابن جرير من كبار الائمة الاسلام المعتمدين''(۱۱)

موضوعات ملا علی قاری کے حوالہ سے مولانا شبلی نے طبری سے متعلق ایک عجیب واقعہ لکھا ہے جس سے

صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ طبری موضوع احادیث کی روایت سے برافروختہ ہوجاتے تھے اور اپنی اس حق گوئی کے خلاف جو مصیبتیں بھی آتی تھیں برداشت کر لیتے تھے، لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ بغداد کے ایک واعظ نے ایک حدیث بیان کی کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ آنحضور ﷺ کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا، امام ابن جریر طبری نے سنا تو بہت برہم ہوئے اور اپنے دروازے پر یہ فقرہ لکھ دیا کہ ''خدا کا کوئی ہم نشین نہیں'' اس پر بغداد کے عوام سخت برافروختہ ہوئے اور امام موصوف کے گھر پر اس قدر پتھر برسائے کہ دیواریں ڈھک گئیں۔(۱۲)

محدثین اور علامہ شبلی کے ان مذکورہ بیانات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ علامہ شبلی امام طبری کو مستند امام مانتے ہیں اور ان کی کتاب تاریخ الانبیاء والرسل والملوك کو سیرت کے ماخذ اصلی تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اولین مصادر سیرت کا جہاں ذکر کیا ہے اور ان پر مقدمہ میں جہاں بحث کی ہے، اس کے مطابق طبری اور ان کی تاریخ قابل اعتبار ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''سیرت پر اگر چہ سینکڑوں تصنیفیں موجود ہیں لیکن سب کا سلسلہ جاکر صرف تین چار کتابوں پر منتہی ہوتا ہے، سیرت ابن اسحٰق، واقدی، ابن سعد، طبری، ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں وہ ان سے متأخر ہیں اور ان میں جو واقعات مذکور ہیں زیادہ تر انہی کتابوں سے لیے گئے ہیں۔''(۱۳)

آگے لکھتے ہیں:

> ''ان میں واقدی تو بالکل نظر انداز کردینے کے قابل ہیں، ابن اسحٰق پر امام مالک اور بعض محدثین نے جرح کی ہے، تاہم ان کا یہ رتبہ ہے کہ امام بخاری اپنے رسالہ ''جزء القرأة'' میں ان کی سند سے روایتیں نقل کرتے ہیں اور ان کو صحیح سمجھتے ہیں، ابن سعد اور طبری میں کسی کو کلام نہیں لیکن افسوس ہے ان لوگوں کا مستند ہونا ان کی تصنیفات کے مستند ہونے پر چنداں اثر نہیں ڈالتا، یہ لوگ خود شریک واقعہ نہیں، اس لیے جو کچھ بیان کرتے ہیں راویوں کے ذریعہ سے کرتے ہیں لیکن ان کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایہ اور غیر مستند ہیں، طبری کے بڑے بڑے شیوخ روایت مثلاً مسلمہ ابرش، ابن مسلمہ وغیرہ ضعیف الروایۃ ہیں، اس بنا پر مجموعی حیثیت سے سیرت کا ذخیرہ کتب حدیث کا ہم پلہ نہیں البتہ ان میں سے تحقیق وتنقید کے معیار پر جو پورا اتر جائے وہ حجت اور استناد کے قابل ہے۔''(۱۴)

مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''سیرت کے ماخذ اصلی میں تین کتابیں ہیں، ابن ہشام، ابن سعد، طبری۔''(۱۵)

چونکہ طبری نے اپنی فراہم کردہ معلومات کو تاریخی واقعات کے مسلسل بیان کی شکل میں مرتب نہیں کیا ہے بلکہ یہ دیکھا ہے کہ جو مختلف بیانات مل جائیں خواہ وہ باہم متناقض ہی کیوں نہ ہوں انہیں اسی شکل میں جوں کا توں لکھ دیا جائے، اسی لیے وہ ان روایات کی صحت کی ذمہ داری بھی اپنے سر نہیں لیتے (۱۶) علامہ شبلی تاریخ طبری کے اس نقص سے واقف تھے اسی لیے ان کا کہنا تھا کہ اس سے وہی روایتیں لی جاسکتی ہیں جو تحقیق وتنقید کے معیار پر پوری اتر جائیں، ایک جگہ فرماتے ہیں کہ کتب سیرت کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ سیرت نگاروں نے اپنی تصنیفات سیرت میں احادیث کا استعمال کم کیا ہے بلکہ احادیث کی جانب سے بے اعتنائی برتی ہے، ان ہی سیرت نگاروں میں ابن جریر طبری ہیں، لکھتے ہیں:

''نہایت تعجب انگیز بات یہ ہے کہ جن بڑے بڑے نامور مصنفین مثلاً طبری وغیرہ نے سیرت پر جو کچھ لکھا ہے، اس میں اکثر جگہ احادیث کی کتابوں سے کام نہیں لیا ہے۔'' (۱۷)

لیکن چونکہ طبری کے متاخرین نے تاریخ طبری سے استفادہ کیا ہے اور تحقیق وتنقید کے بعد اس کی روایتوں کو اپنی کتابوں کا حصہ بنایا ہے، اس لیے علامہ نے بھی اسی اصول کو اپناتے ہوئے طبری کی وہ روایتیں اپنی سیرت میں قبول کی ہیں جو ان کے میزان کے مطابق اور ان کے معیار استناد پر پوری اترتی ہیں، طبری کی روایتوں کے اخذ کے سلسلے میں ان کا مشہور اصول یہ ہے کہ وہی روایتیں لی جائیں جس کی تائید قرآن وحدیث اور کتب سیرت کی دوسری اہم اور مستند کتابوں سے ہوتی ہو، البتہ جو لوگ فن سیرت اور حدیث میں فرق اور سیرت کو ایک جداگانہ فن تسلیم نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ سیرت بعینہ فن حدیث ہے، وہ طبری کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے، طبری پر زودنویسی، تناقض روایات اور متناقض روایتوں میں تطبیق نہ دینے کی صورت حال سے برگشتہ ہوکر اس کی مستند روایتوں کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، وہ طبری کے ساتھ انصاف نہیں کرتے، اگر وہ فن سیرت کو فن حدیث سے الگ فن تسلیم کرلیں اور یہ مان لیں کہ روایات سیرت کے اخذ وقبول میں اس شدت احتیاط کی ضرورت نہیں جو فن حدیث میں برتی جاتی ہے تو مسئلہ بالکل صاف ہوجائے گا اور یہ احساس ختم ہوجائے گا کہ چوں کہ یہ روایت طبری میں ہے اس لیے ناقابل تسلیم ہے، جامع سیرت مولانا سید سلیمان ندوی نے اس سلسلہ میں انتہائی معقول اور مناسب بات یہ کہی ہے کہ جیسے فقہ کا فن قرآن اور حدیث سے ماخوذ ہے لیکن بعینہ اس کو قرآن، حدیث یا اس کے ہم پلہ نہیں کہا جاسکتا، (۱۸) اسی طرح سیرت ایک جداگانہ فن ہے، بعینہ فن حدیث نہیں۔قدیم سیرت نگاروں نے اس بنیادی فرق کو ملحوظ رکھا تھا، انہیں معلوم تھا کہ واقعات سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلات مقصود ہوتی ہیں وہ فن حدیث کے اعلیٰ معیار پر پوری نہیں اتر سکتیں، مثلاً ابن اسحٰق، ابن ہشام، ابن سید الناس، دمیاطی اور حلبی وغیرہ جو سیرت کے اساطین سمجھے جاتے ہیں

میں سے کسی نے کتب سیرت کی تصنیف میں وہ التزام و احتیاط نہیں کی جو محدثین میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور امام مالکؒ نے حدیثوں کی جمع و ترتیب میں کی، علامہ شبلی نے سیرؐ، وفن حدیث کے اس فرق کو بخوبی سمجھا تھا، اسی لیے انہوں نے طبری کی وہ روایتیں اپنی سیرۃ میں قبول کی ہیں جو اصول درایت یعنی تحقیق و تنقید کے معیار پر پوری اترتی ہیں اور یہی مناسب بھی ہے۔

اب آئندہ اوراق میں سیرۃ النبی شبلی (جلد اول و دوم) میں جہاں جہاں طبری کے حوالے جن جن صفحات پر جس جس واقعہ کے تحت آئے ہیں ان کا تذکرہ اشارۃً کیا جاتا ہے، یہاں یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ کے وہ حوالے جو سید سلیمان ندویؒ کے اضافہ کے تحت آئے ہیں ان کو یا وہ جو بعد میں کسی اور کی مراجعت کے وقت اضافے کے ذیل میں آئے ہیں، قلم انداز کردیے گئے ہیں، البتہ طبری کے تخریج شدہ حوالوں کو جائزہ میں اس لیے باقی رکھا کہ وہ اصلاً مولانا شبلی کے ہی مستفاد ہیں، حاشیہ نگاروں نے صرف صفحات کی نشاندہی کی ہے، دوسری چیز سیرۃ النبی میں مندرج طبری کے حوالہ جات کے بالاستیعاب مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شبلی نے سیرت سے متعلق طبری کی محض ان روایات کو اپنی سیرت میں جگہ دی ہے جن کا تعلق زیادہ تر اخلاق، فضائل صحابہ، غزوات، مکہ میں دی گئی اذیتوں اور آپؐ کے معمولات وغیرہ سے ہے، عقیدہ سے متعلق وہ روایتیں جن سے اسلام کی خالصیت مجروح ہوتی ہے شاید ہی معرض تحقیق میں آئی ہوں۔

سیرۃ النبی جلد اول

سیرۃ النبی جلد اول میں سب سے پہلے مولانا شبلی نے امام طبری کا ذکر فن سیرت کی ابتدا اور تحریری سرمایہ پر بحث کرتے ہوئے کیا ہے اور لکھا ہے کہ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال، وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں،(۱۹) ان کی مشہور تاریخ ''تاریخ الرسل والملوك'' تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع کتاب ہے، تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل، ابن اثیر، تاریخ ابن خلدون اور تاریخ ابوالفدا وغیرہ ان ہی کی کتاب سے ماخوذ اور اس کتاب کے مختصرات ہیں،(۲۰) سلمہ بن الفضل الابرش الانصاری کا ذکر طبری کے راوی کی حیثیت سے (۲۱) امہات کتب سیرت کی حیثیت سے تاریخ طبری کا ذکر (۲۲) شیوخ روایت سلمہ بن ابرش اور ابن سلمہ کا ذکر طبری کے حوالہ سے (۲۳) موضوع حدیثوں پر امام طبری نے سیرت میں کتب حدیث کی طرف سے امام طبری کی بے اعتنائی کا ذکر (۲۴) ۱۸۷۹ء سے ۱۸۹۲ء میں بارتھ اور نولدیکی کے تاریخ طبری شائع کرنے کا ذکر (۲۵) سیرۃ النبی کی تصنیف و ترتیب کے اصولوں کی نشاندہی کرنے کے دوران علامہ شبلی نے سیرت کی دوسری کتابوں کے ساتھ طبری کا ذکر بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ روزمرہ اور عام واقعات میں ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی

عام روایتیں کافی خیال کی جاتی ہیں لیکن ان میں بیان کردہ واقعات کے متعلق حتی الامکان تحقیق وتنقید سے کام لیا گیا ہے اور طبری وغیرہ کے تمام رواۃ کے نام الگ الگ انتخاب کرکے فن اسماء الرجال کی روشنی میں تحقیق کی گئی ہے،(۲۶) رسول اللہؐ کے شجرۂ نسب کی تحقیق کے سلسلہ میں علامہ شبلی نے طبری کی اس روایت کا ذکر کیا ہے جس میں معد سے لے کر حضرت اسماعیلؑ تک ۴۰ پشتوں کے نام ہیں اور اسی صفحے پر یہ بھی لکھا ہے کہ شہر تدمر میں ایک یہودی تھا جس کا نام ابو یعقوب تھا وہ بعد میں مسلمان ہوگیا، اس کا بیان تھا کہ ارمیا پیغمبر کے منشی نے عدنان کا جو نسب نامہ لکھا تھا وہ میرے پاس موجود ہے، اس میں عدنان سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک چالیس نام ہیں،(۲۷) تذکرہ ہاشم کے ذیل میں ان کے زمانے میں قحط پڑنے اور اس میں ہاشم کے روٹیاں شوربہ میں چورا کرکے کھلانے کا ذکر ہے، طبری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ لیکن یہ حاشیہ سید صاحب کا اضافہ ہے،(۲۸) حضرت خدیجہ کے اس مکان کا ذکر جو حضرت خدیجہ کے نام سے تھا جس کو بعد میں امیر معاویہ نے خرید کر مسجد بنادیا،(۲۹) ''تلك الغرانيق العلىٰ وان شفاعتهن لترتجىٰ'' والی مشہور روایت کے سلسلے میں مولانا نے طبری کے ساتھ زرقانی اور تمام مشہور قدماء سیرت نگاروں پر نقد کیا ہے،(۳۰) مولانا کا خیال ہے کہ اگر چہ یہ روایت اکثر سوانح نگاروں اور محدثین کے نزدیک معتبر ہے لیکن چونکہ اس سے نبی کی نبوت وثقاہت مجروح ہوتی ہے اور نبی جو ہر وقت اور ہر آن اللہ کی نگاہ میں ہوتا ہے اس کی زبان سے دوران عبادت اس قسم کے شرکیہ الفاظ کا صدور ناممکن ہے، اس لیے یہ روایت اپنے تمام تر دلائل صحت کے باوجود غیر معتبر ہے، مولانا نے اس سلسلہ میں کفار کی مشہور عام عادت یعنی تلاوت قرآن کے دوران ان کے شور مچانے اور آپ کی آواز میں گڑبڑ کردینے کا ثبوت قرآن سے بہم پہنچا کر لکھا ہے کہ قریش جب طواف کرتے تو یہ الفاظ ان کے نوک زبان پر ہوتے، ''واللات والعزى ومناة الثالثة الاخرى فانهن الغرانيق العلىٰ وان شفاعتهن لترتجى'' آنحضرتؐ نے جب سورہ نجم کی وہ آیتیں پڑھی ہوں گی تو کسی شیطان (کافر) نے یہ فقرے آپ کی آواز میں ملا کر پڑھ دیا ہوگا، دور کے لوگوں کو شبہ ہوا ہوگا کہ آپ ہی نے وہ الفاظ ادا کیے، اس واقعہ کا چرچا جب مسلمانوں میں ہوا ہوگا تو لوگوں نے کہا ہوگا کہ کسی شیطان نے آپ کی طرف سے وہ فقرے کہہ دیے ہوں گے، اس واقعہ نے روایتوں میں صورت بدل کر یہ صورت اختیار کرلی کہ شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوادیے، اپنے خیال کی تائید میں مولانا نے ابن سعد کا حوالہ بھی دیا ہے،(۳۱) اسلام کی مقبولیت اور لاکھ ستم رانیوں کے باوجود روز بروز اس کی ترقی کو دیکھ کر تمام قبائل کا خاندان بنی ہاشم کے خلاف باہم متحد ہونا اور ان کو شعب ابی طالب میں محصور کردینے کا واقعہ (۳۲) (اس کا ذکر ابن ہشام وابن سعد وغیرہ میں بھی موجود ہے) متصل تین برس کے بعد خود دشمنوں کا آل ہاشم کو حصار سے آزاد کرنا اور معاہدے کو چاک کرنے کی

تفصیلات بھی طبری ج ۳ ص ۱۱۹۶-۱۱۹۸ اور ابن ہشام اور ابن سعد میں بھی موجود ہے ،(۳۳) آپ کے فرق مبارک پر خاک ڈالنے اور حضرت فاطمہ کا رورو کر آپ کا سر دھونے کی ، طائف کے بازاروں میں آپ کا مذاق اڑانے ، پتھر مارنے ،گالیاں دینے اور تالیاں بجانے کے واقعات طبری ج ۳ ص ۱۱۹۹ سے ماخوذ ہیں، (ابن ہشام مواہب لدنیۃ وغیرہ میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں ،(۳۴) آپ نے ابتدا میں اسلام کی تبلیغ کے لیے مختلف قبائل کا دورہ کیا، بنو عامر کے پاس گئے تو ان کے ایک فرد فراس نے کہا کہ اگر ہم نے تمہارا ساتھ دیا تو غالب آنے پر ہم کو حکومت ملے گی ، آپ نے کہا یہ خدا جانے تو اس کے جواب میں اس نے کہا ہم اپنا سینہ عرب کی آماجگاہ بنائیں اور حکومت غیر کے ہاتھ میں رہے ہم کو اس کی غرض نہیں ، یہ واقعہ طبری جلد ۳ ص ۱۲۰۵ میں ہے ،(۳۵) سوید بن صامت انصاری شاعر اور ممتاز جنگجو تھا اس کو امثال لقمان کا نسخہ ہاتھ آ گیا تھا جس کو وہ آسمانی کتاب سمجھتا تھا، ایک مرتبہ حج کو گیا تو آپ سے اس سے ملاقات کو خود تشریف لے گئے ،اس نے امثال لقمانی پڑھ کر سنایا، آپ نے قرآن کی چند آیتیں پڑھیں ، اس نے تحسین کی اور دل ہی دل میں اسلام کا معتقد ہوگیا ،(۳۶)ابن ہشام میں بھی ہے،صاحب البدایہ والنہایہ نے بھی اس روایت کو اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، اوس کے سفیر ایاس بن معاذ کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے اور ان کے سامنے قرآن کی چند آیتیں پڑھ کر سنانے اور ایاس کا اپنے قبیلہ والوں کو اسلام کی ترغیب دینے اور پھر قافلہ سالار ابو الحسیس کا ایاس کے منھ پر کنکریاں مارنے کی روایتیں طبری میں موجود ہیں ، مکہ میں کفار کا آپ کے گھر کا محاصرہ کرنا اور حضرت علی کو اپنے بستر پر سلا کر آپ کا نکل جانا، حضرت علی کو کفار کا حرم لے جا کر محبوس کرنا اور پھر تھوڑی دیر بعد چھوڑ دینا، یہ واقعہ بھی کتب حدیث وسیر میں موجود ہے ،(طبری کے حوالے کی تخریج سید صاحب نے کی ہے ، ج ۳ ص ۱۲۳۴۔ ص ۱۹۴) قبیلہ انصار کے دو شخص حضرت کلثوم بن ہداد، اسد بن زرارہ قبیلہ بنی نجار کے نقیب تھے (۳۷) ان کے انتقال کے بعد اس قبیلے میں اس منصب پر کسی کو فائز کرنے کی درخواست آپؐ سے کی تو آپ نے فرمایا کہ میں خود تمہارا نقیب ہوں اور یہ سعادت اس قبیلے کو حاصل ہوئی ، یہ واقعہ طبری سے ہی ماخوذ ہے ، (۳۸) حضرت اسد انصاریؓ کی وفات پر آپ کو سخت صدمہ ہوا تو منافقین نے آپ کو طعنہ دیا کہ اگر آپ پیغمبر ہوتے تو آپ کو صدمہ نہ ہوتا ، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا میں اپنے لیے اور اپنے ساتھیوں کے لیے خدا کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا،(۳۸) تمام محدثین مغازی کی ابتدا رجب ۲ھ کے اس واقعہ سے کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ جو مکہ اور طائف کے بیچ ایک مقام تھا ایک رقعہ دے کر بھیجا تھا جس میں تحریر تھا کہ مقام نخلہ میں قیام اور قبیلہ قریش کی نگرانی کی ہدایت تھی ، اتفاق سے قریش کے چند معزز افراد عمر بن الحضرمی اور عثمان ونوفل وغیرہ شام سے تجارت کا مال لے کر آرہے تھے تو حضرت

عبداللہ بن جحشؓ نے ان پر حملہ کر کے ان کا مال لوٹ لیا اور غنیمت لے کر مدینہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو اس کی اجازت نہیں دی تھی، مال غنیمت لینے سے بھی انکار کر دیا، صحابہ بھی ان پر برہم ہوئے، اسی واقعہ نے قریش کو مشتعل کر دیا اور انتقام قصاص کی بنیاد پڑ گئی، مولانا شبلی نے یہ واقعہ طبری کے حوالہ سے لکھا ہے اور علامہ طبری کی رائے بھی نقل کی ہے، وہ بھی غزوۂ بدر اور اس کے بعد پیش آنے والی لڑائیوں کو اسی واقعہ سے وابستہ مانتے ہیں اور اسی کو اول الغزوات تسلیم کرتے ہیں، (۳۹) غزوہ بدر میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بازو عکرمہ بن ابوجہل کی تلوار سے کٹ گیا، صرف تسمہ باقی رہ گیا اور معاذ اسی حالت میں معرکہ آرا تھے، ہاتھ کی وجہ سے زحمت ہورہی تھی تو ہاتھ کو پاؤں سے دبا کر الگ کر دیا اور اب وہ پوری طرح آزاد ہو گئے، یہ عجیب وغریب واقعہ طبری سے ماخوذ اور جذبہ شہادت کی اعلیٰ مثال پیش کرتا ہے، (۴۰) اس جنگ میں ابوالبختری جو جبراً مدمقابل تھے، کے مقتول ہونے کی روایت طبری ج ۳ ص ۱۳۲۴ سے ماخوذ ہے، (۴۱) غزوہ بدر کے اسیروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خدمت گزاری، دیکھ ریکھ اور مزاج پرسی کے مقصد سے صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا، ان قیدیوں میں مصعب بن عمیر کے بھائی ابوعزیز کا واقعہ طبری کے حوالہ سے مولانا نے نقل کیا ہے کہ جن انصاریوں نے ان کو قید کیا تھا خود کھجور پر اکتفا کرتے تھے اور مجھ کو روٹی بھی کھلاتے تھے آگے مولانا سید سلیمان ندوی نے سہیل بن عمرو کے (ایک دوسرا اسیر بدر جو آپ کی ہجو کیا کرتا تھا) کا دو نیچے کے دانت اکھاڑ دینے کے مشورہ حضرت عمرؓ کو رد کر دیا تھا کو طبری ہی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، (۴۲) آنحضورؐ کے داماد حضرت زینب کے شوہر ابوالعاص اسیران بدر میں شامل تھے، انہوں نے اپنی رہائی کے لیے حضرت زینب سے زرفدیہ منگایا تو انہوں نے حضرت خدیجہؓ کا عطا کردہ ہار جو نکاح کے وقت ان کو ملا تھا فدیۃً بھیج دیا، آنحضورؐ نے صحابہ کی اجازت سے ہار لوٹا دیا اور ان کو معاف کر دیا، (۴۳) غزوۂ بدر کے وقوع سے پہلے آپ ﷺ نے جنگ کے سلسلے میں انصار کی رائے معلوم کرنا چاہا تو حضرت سعد اور ایک معزز انصاری (جن کے نام کی صراحت علامہ شبلی نے نہیں کی ہے اور نہ ہی سید صاحب اور دوسرے حوالہ جات کی تخریج کرنے والوں نے کی) نے جواباً کہا، ہم قوم موسیٰ سے تعلق نہیں رکھتے جنہوں نے کہا تھا کہ تم اور تمہارا خدا دونوں جا کر لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے، خدا کی قسم اگر آپ حکم دیں تو ہم آگ اور سمندر میں کود پڑیں (طبری ج ۳ ص ۱۳۰۲) ابن ہشام میں بھی یہ روایت موجود ہے، (۴۴)

غزوہ بدر کے سلسلہ میں علامہ شبلی نے ابن حنبل، ابن شیبہ اور بیہقی کے ساتھ طبری کی روایت کا حوالہ دیا ہے جس سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سن کر مدینہ سے نکلے تھے، (۴۵) غزوہ بدر سے پہلے کی بعض لڑائیوں کا ذکر، (۴۶) جیسا کہ اہل علم واقف ہیں کہ علامہ شبلی غزوہ بدر کو مسلمانوں کی جانب سے مدافعانہ

جنگ مانتے ہیں اور اس کے متعدد اسباب بھی تاریخ وسیر کی مستند کتابوں سے بہم پہنچاتے ہیں، ان اسباب کے ذکر میں مولانا نے متعدد جگہوں پر روایت طبری کو ماخذ بنایاہے ، جن کی تفصیلات بخوف طوالت قلم انداز کی جاتی ہی،(۴۷)غزوہ سوید کے لیے طبری کا حوالہ ج ۳ ص ۱۳۶۷ ،ص ۲۵۹،غزوہ احد میں بعض خاتونان حرم کی شرکت اوران کے ناموں کی فہرست (۴۸) میں ہے ، زرقانی میں بھی یہ روایت موجود ہے ،(۴۹)جنگ احد کے متعلق مشورے میں پہلی بار عبداللہ ابن ابی بن سلول کی شرکت طبری ج ۳ ص ۱۳۸۹ کے حوالے سے ہے جس کی تخریج سید صاحب نے کی ہے ،(۵۰) غزوہ احد میں شرکت کے لیے رافع بن خدیج کا پاؤں کے انگوٹھوں کے بل کھڑے ہونے کی روایت طبری ج ۳ ص ۱۳۹۱ سے لی گئی ہے لیکن اس روایت پر سید صاحب نے ابن ہشام اور بدایہ وغیرہ کے حوالے سے حضرت رافع کے جنگ میں شرکت کے بجائے ان کا تیر اندازی میں ماہر ہونا بتایاہے ،(۵۱) مدینہ کے مقبول عام شخص ابو عامر(جس کو گمان تھا کہ انصاری مجھ کو جنگ میں دیکھ کر رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ دیں گے) نے غزوہ احد کا آغاز کیا ، ڈیڑھ سو افراد میدان جنگ میں اس کے ساتھ تھے ، (۵۲)اس جنگ میں پہاڑ کی چوٹی کے ساتھ صحابہ کے ساتھ چڑھنے اور آپ ﷺ کو دیکھ کر ابوسفیان کے بھی پہاڑ پر چڑھنے اور بعض صحابہ کا ان پر پتھر برسانے کی روایت (طبری ج ۳ ص ۱۴۱۰-۱۴۱۱) سے ماخوذ ہے ،حضرت حمزہؓ کی لاش کو حضرت صفیہ کے نہ دیکھنے کا مشورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا مگر پھر گزارش پر آپ نے اجازت مرحمت فرمائی اور دیکھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر دعائے مغفرت کرنے اور ایک انصاری عفیفہ کا اپنے باپ بھائی اور شوہر کی شہادت کے بعد رسول اللہ کی خیریت معلوم کرنا اور بے اختیار یہ کہنا کہ تیرے ہوتے تمام مصیبتیں ہیچ ہیں ، یہ روایت بھی طبری ج ۳ ص ۱۴۲۱ تا ۱۴۲۵ سے ماخوذ ہے ،(۵۳) کتب حدیث صحیح بخاری ومسلم سے ثابت ہے کہ بنی مصطلق یا غزوہ مریسیع میں آپ نے بغیر اطلاع کے اچانک حملہ کیا تھا جو اسلام کے اصول جنگ کے منافی ہے ، اس لیے مولانا شبلی نے اس پر خوب داد تحقیق دی ہے اور ابن حجر کی فتح الباری کے حوالے سے لکھا ہے کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتوں کو ترجیح نہیں لیکن صحیحین کی روایت بھی اصول حدیث کی روشنی میں منقطع ہے ،مولانا اسی لیے طبری ج ۳ ص ۱۵۱۵ اور ابن سعد کے وغیرہ کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ بنی مصطلق کو حملے کی خبر تھی اور اہل مریسیع جم کر تیر برساتے رہے تو مسلمانوں نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن مولانا سید سلیمان ندوی نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس حدیث کے انقطاع کا انکار کیا ، (۵۴) غزوہ خندق کے موقع پر قریش ، یہود اور بعض قبائل عرب نے باہم مل کر مدینہ کو تین طرف سے گھیر لیا ، محاصرہ قریباً ایک مہینہ تھا اور صحابہ پر تین تین فاقے گزر گئے ، محاصرے کی سختی دیکھ کر آپ کو خیال ہوا کہ کہیں انصار ہمت نہ ہار جائیں ، اس لیے آپ نے غطفان سے اس شرط پر

معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث ان کو دے دیا جائے ، حضرت سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ کو بلا کر مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ اگر خدا کا حکم ہے تو مجال انکار نہیں اور اگر رائے ہے تو عرض ہے کہ جب اسلام کمزور تھا تو خراج دیا ہی نہیں گیا اور اب تو ہمارا پایہ بہت بلند ہے، حضرت سعد نے معاہدے کا کاغذ لے کر ہاتھ سے مٹا دیا، یہ واقعہ طبری ج ۳ ص ۱۴۷۴ سے ماخوذ ہے ،(۵۵) حضرت علی کا قریظہ کے قلعوں کے پاس ان کا کام تمام کر دینے کے لیے پہنچنا اور رسول اللہ کو ان کا گالی دینا طبری ج ۳ ص ۱۴۸۵ میں ہے ،(۵۶) اور یہ مدافعانہ کارروائی تھی ،حضرت زینبؓ سے نکاح کے سلسلہ میں طبری کی اس روایت کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ حضرت زیدؓ سے ملنے کے لیے ان کے گھر گئے ، زید نہ تھے ، حضرت زینبؓ کپڑے پہن رہی تھیں ،اسی حالت میں آنحضرتؐ نے ان کو دیکھ لیا ، حضرت زید کو معلوم ہوا تو آنحضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اگر زینب کو آپ پسند فرماتے ہوں تو میں ان کو طلاق دے دوں ،(۵۷) طبری کی اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں نے یہ بیہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کرتے ہوئے لکھی ہے کہ ''نقلِ کفر، کفر نہ باشد'' یہی روایت عیسائی مؤرخوں کا مایۂ استناد ہے لیکن انہیں یہ نہیں معلوم کہ اصول فن کے لحاظ سے یہ روایت غلط اور مشہور کذاب واقدی سے مروی ہے، لیکن محدثین نے اس روایت کو ناقابل توجہ سمجھا اور اس پر سخت تنقیدیں کی ہیں ،(۵۸) قیصر روم، شہنشاہ عجم،عزیز مصر اور روسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے جو خطوط جن لوگوں کے ذریعے ارسال فرمائے ان کی تفصیل طبری ج ۳ ص ۱۵۵۹ کے حوالے سے ہے ، ابن ہشام میں بھی اس کا ذکر ہے ،(۵۹) آپ کی دعوت پر نجاشی کے قبول اسلام اور اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ بارگاہ نبوی میں بھیجنے کا واقعہ، ۹ ھ میں نجاشی کی وفات ، (۶۰) کا واقعہ،امام بخاری ، امام مسلم وغیرہ کے یہاں تو ان روایتوں کا ذکر تک نہیں ، مولانا نے طبری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہؐ نے عزیز مصر کو اسلام کی دعوت دی تو وہ اسلام نہیں لایا ، دو لونڈیاں ماریہ قبطیہ اور سیرین نامی آپ کی خدمت میں بھیجیں ، ماریہ قبطیہ حرم نبوی اور سیرین حضرت حسان بن ثابتؓ کے ملک میں آئیں ،طبری کے بیان کے مطابق ماریہ اور سیرین دونوں حقیقی بہنیں تھیں اور خدمت نبوی میں پہنچنے سے پہلے دونوں بہنیں حضرت حاطب بن بلتعہ کی تعلیم سے مسلمان ہو چکی تھیں ، اس لیے حضورؐ نے ماریہ قبطیہ سے نکاح ان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے کیا تھا اور وہ آپ کے حرم میں لونڈی کی حیثیت سے داخل نہ ہوئی تھیں ۔(۶۱) مگر حوالے کی تخریج سید صاحب اور بعض کی ضیاء الدین اصلاحی صاحب نے کی ہے۔

غزوہ ذی قرد کے وقوع کے سلسلہ میں ارباب سیر نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ خیبر کے واقعہ سے ایک سال قبل ہوا تھا لیکن امام بخاری نے خیبر سے تین سال پہلے کا واقعہ بتایا ہے ، ابن حجر نے اسی کی تائید کی ہے ،

مولانا سید سلیمان ندوی نے طبری کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے غزوہ ذی قرو کے صرف تین پہلے وقوع کا علم ہوتا ہے،(۶۲) جنگ خیبر میں اہل خیبر کی مدد کے لیے غطفان کے آنے لیکن پھر واپس چلے جانے کی روایت طبری سے ماخوذ ہے،(۶۳) خیبر کی مہم پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ کا قلعہ خیبر تسخیر کیے بغیر بزدلی سے واپس آنے کی روایت مولانا نے طبری سے لے کر اس پر محدثانہ اور درایتی نقطہ نظر سے تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کے جنگ سے بھاگنے کا ذکر ہو اور وہ بھی شیعہ مکتب فکر کے راوی سے اس روایت کا پایا جانا ظاہر ہے کیا رہ جاتا ہے،(۶۴) پھر اگلے صفحہ پر طبری کی یہ روایت لی ہے کہ قلعہ قموص کی فتح کے دوران جب مرحب پہلوان سے سامنا ہوا تو حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور ضرب کی آواز فوج تک پہنچ گئی،(۶۵) اسی روایت میں محققانہ تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پہلوان کا مارا جانا عظیم الشان واقعہ تھا، اس لیے عجائب پسندی نے اس واقعہ کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز افواہیں پھیلا دیں کہ حضرت علیؓ کی ذوالفقار نے جب مرحب کا کام تمام کر دیا تو مرحب کے مارے جانے پر یہود نے عام حملہ کر دیا اور اتفاق سے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سپر گر گئی، آپ نے قلعہ کا در جو سرتاپا پارۂ سنگ تھا اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا، اس کے بعد جب ابورافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو وہ اپنی جگہ سے نہ ہل سکا، یہ روایتیں ابن اسحٰق اور حاکم میں بھی ہیں لیکن علامہ سخاوی اور علامہ ذہبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ سب بازاری قصے اور منکر روایتیں ہیں، پھر امام بخاری، ابوداؤد اور دارقطنی وغیرہ کے راویوں پر تنقیدی آرا تحریر کرتے ہیں اور اس روایت کو پایۂ اعتبار سے ساقط بتایا ہے،(۶۶) فتح خیبر کے بعد وہاں قیام کے دوران مرحب کی بھاوج سلام بن مشکم کی بیوی کے رسول اللہ اور ان کے صحابہ کے کھانے میں زہر ملانے کی روایت مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۴۵۱ اور طبری کے ج ۳ ص ۱۵۸۳-۱۵۸۴ کے حوالہ سے لی ہے ،(۶۷) اکثر ارباب سیر اور طبری کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ کنانہ بن ابی الحقیق کے خزانہ کا پتہ نہ بتانے پر اس کو سخت ایذا رسانی کا حکم آپؐ نے فرمایا اور حضرت زبیر چقماق جلا کر اس کو داغتے تھے، یہاں تک کہ وہ قریب المرگ ہوگیا اور بالآخر آپ نے اس کو قتل کرا دیا، (۶۸) لیکن طبری ہی کی ایک دوسری روایت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کنانہ بن ابی الحقیق کے قتل کی وجہ خزانے کا پتہ بتانے سے انکار نہیں بلکہ اس نے محمود بن مسلمہ صحابی کو قتل کیا تھا، اس لیے آپ نے قصاصاً قتل کرایا تھا،(۶۹) ابن ہشام میں بھی ہے، آگے اس روایت پر درایتی نقطۂ نظر سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ روایت طبری اور ابن ہشام دونوں نے ابن اسحٰق سے نقل کی ہے لیکن ابن اسحٰق نے اوپر کے کسی راوی کا نام نہیں بتایا، محدثین نے تصریح کی ہے کہ ابن اسحٰق یہودیوں سے مغازی نبوی کے واقعات روایت کرتے تھے، اس روایت کو بھی انہی روایتوں میں سمجھنا چاہیے اور یہی وجہ ہے کہ ابن اسحٰق ان راویوں کا نام نہیں لکھتے ،

کسی شخص پر پتہ نہ بتانے کے لیے اس قدر سختی کرنا رحمۃ للعالمین کی شان کے منافی ہے، جو ذات اپنے زہر دینے والے سے مطلق تعرض نہ کرے، کیا چند سکوں کے لیے کسی کو آگ سے جلانے کا حکم دے سکتی ہے، (۷۰) آگے اس پر نہایت عالمانہ بحث کی ہے اور طرز بیان ایسا جاذب اور دلکش ہے کہ بحث پڑھیے اور سر دھنیے۔ صلح حدیبیہ کے بعد بنو بکر نے بد عہدی کی اور خزاعہ پر حملہ آور ہوئے اور قریش نے علانیہ ان کو مدد دی، مولانا نے طبری کے حوالے سے لکھا ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، سہل بن عمرو وغیرہ نے بھیس بدل کر بنو بکر کے ساتھ تلواریں چلائیں، خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی، (۷۱) فتح مکہ کی تفصیلات زیادہ تر علامہ شبلی نے صحیح بخاری سے لی ہیں مگر اس سلسلے کے بعض واقعات طبری سے بھی لیے ہیں، مثلاً حضرت عمر کا ابوسفیان کو دیکھ کر بارگاہ نبوی میں جا کر اطلاع دینا اور حضرت عباس کا ابوسفیان کے لیے جان بخشی کی درخواست کرنا اور حضرت عمرؓ سے یہ کہنا کہ اگر ابوسفیان تمہارے قبیلے کا ہوتا تو تم اس قدر سخت نہ ہوتے، پھر جواباً حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ آپ کے اسلام لانے سے جو مسرت مجھ کو ہوئی اگر میرے والد اسلام قبول کرتے تو شاید اتنی خوشی نہ ہوتی، (۷۲) فتح مکہ کے بعد مقام صفا میں آپ سے بیعت کا ذکر اور مردوں کے بعد عورتوں کی بیعت اور اس کے طریقے کا ذکر مولانا نے طبری کے حوالے سے کیا، (۷۳) پھر ان عورتوں میں امیر معاویہ ہندہ کی بیعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکالمہ اور صفوان بن امیہ کا جدہ بھاگ جانے اور عمیر بن وہب کا ان کو مکہ واپس لانے کے لیے آنحضرتؐ کا عمامہ بطور نشان امانت لے کر جدہ جانے، ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو واپس لانے کے لیے حضرت ام حکیم کے یمن جانے کا واقعہ، (۷۴) معرکہ ہوازن اور ثقیف کے جزئی واقعات کی تفصیلات، (۷۵) معرکہ حنین میں مسلمانوں کی شکست اور مسلمانوں کا پیر اکھڑ جانے لیکن اس کے ساتھ بعض صحابہ کرام کے ثابت قدم رہنے کی روایت کی تطبیق جو مولانا شبلی نہ لکھ سکے تھے، جامع سیرت سید صاحب نے اس جگہ طویل حاشیہ لکھا ہے اور حنین میں شکست کے اسباب کی تحقیق کے سلسلہ میں طبری کی روایات بھی ماخذ رہی ہیں، (۷۶) محاصرہ طائف کے ذکر میں ایک جگہ علامہ شبلی نے طبری ج ۳ ص ۱۶۶۹، اور ابن اسحٰق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عروہ بن مسعود اور عیلان بن سلمہ نے جرش (یمن کا ایک ضلع) میں جا کر قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ، صنبور اور منجنیق بنانے کا فن سیکھا تھا، (۷۷) جنگ اوطاس کے قیدیوں میں حضرت شیماؓ آنحضرتؐ کی رضاعی بہن بھی تھیں، گرفتاری کے وقت انہوں نے آنحضورؐ کی بہن ہونے کا دعویٰ کیا تو تصدیق کے لیے آنحضورؐ کے پاس لائی گئیں اور کہا کہ بچپن میں آپ نے میری پشت پر دانت کاٹ لیا تھا یہ اس کا نشان ہے، فرط محبت سے آپ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں، آپ نے انہیں عزت و احترام سے بٹھایا اور ان کی خواہش کے مطابق انہیں ان کے وطن واپس بھیج دیا، اس روایت کا ماخذ طبری ج ۳ ص ۱۶۶۹، اور ابن سعد دونوں ہیں، (۷۸)، اسیران حنین کی رہائی جن

کی تعداد تقریباً ٦ ہزار تھی کے واقعات کی تفصیلات ابن سعد اور طبری ج ۳ ص ۱٦۷٦ سے ماخوذ ہیں ،(۷۹) سید صاحب نے غزوہ تبوک کے ذکر میں آخر میں واقعات متفرقہ کے تحت ۹ ھ میں فرضیت زکوٰۃ اور اس کے حصول کے لیے عمال کی تقرری اور نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ کی روایت طبری ج ۳ ص ۱۷۲۲ کے حوالہ سے نقل کی ہے ، (۸۰) مولانا نے علامہ طبری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مکہ کے اطراف میں سرایا بھیجنے کا مقصد دعوت اسلام تھا نہ کہ لڑائی بھڑائی ،(۸۱) سریہ ابن جحش کی روانگی کے وقت رسول اللہ ﷺ کے خط کی عبارت مولانا نے طبری کے حوالہ سے نقل کی ہے ،(۸۲) اسی طرح سریہ کعب بن عمیر کے دوران حضرت خالد بن الولید نے تلوار سے کام لیا اور آنحضور کو معلوم ہوا تو آپ نے تین مرتبہ قبلہ رو ہو کر کہا کہ خدایا میں اس سے بری ہوں اور حضرت علی کو ایک بچہ کا خون بہا عطا کرنے کے لیے بھیجا ،(ص ۴۳۰ مولانا نے علامہ طبری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مکہ کے اطراف میں سرایا بھیجنے کا مقصد دعوت اسلام تھا نہ کہ لڑائی بھڑائی ،(۸۳) یہ مشہور روایت باختلاف الفاظ حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے ، حاتم طائی کی بیٹی جنگ حنین میں گرفتار ہو کر آئی تو آپ نے اس کی عزت و وقار کے مدنظر مسجد کے ایک گوشہ میں اس کو مقیم کیا اور چند روز کے بعد سفر کا سامان کر کے یمن بھجوا دیا (یہ روایت مولانا نے طبری سے اخذ کی ہے ،(۸۴) ابن سعد میں بھی ہے۔

سیرۃ النبی جلد دوم :

اس جلد میں سید صاحب نے جو اضافے کیے ہیں اور ان اضافات میں جہاں جہاں طبری کے حوالے ہیں ان کو قلم انداز کرتے ہوئے صرف طبری کے ان مراجع کا جائزہ لیا جائے گا جو مولانا شبلی کی تحریروں کے حوالے سے آئے ہیں ،سید صاحب کے حوالہ جاتِ طبری کے جائزے سے مقالہ کی طوالت کا خوف تھا ، اسی وجہ سے ان کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

سیرۃ النبی جلد دوم کی شروعات مولانا شبلی نے (تبلیغ و اشاعت اسلام کے عنوان) سے کی ہے ، اس سے پہلے کا باب سید صاحب کا اضافہ ہے ، اس جلد میں سب سے پہلے طبری کا حوالہ اس ضمن میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے مکہ کے اطراف میں دعوت و تبلیغ کی بعض ٹکڑیاں بھیجیں کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں ، انہیں لڑنے کا حکم نہیں تھا لیکن حضرت خالد گئے تو کشت و خون کیا اور آپؐ نے حضرت خالد کے عمل سے برأت ظاہر کی اور حضرت علی کو خوں بہا کی ادائیگی کے لیے بھیجا یہاں تک کہ کتوں کا بھی خوں بہا ادا کیا گیا ، (۸۵) فتح مکہ کے بعد ۹ ھ میں حجاز کے لوگوں کا قبول اسلام ،(۸٦) صنعاء کے سب سے پہلے حافظ قرآن مرکبود کے صاحبزادے عطا اور وہب ابن منبہ ہوئے ، (۸۷) وفود عرب کے ذیل میں بنو تمیم کے بڑے بڑے رؤسا اقرع بن حابس ، زبرقان عمرو بن الاہتم ، نعیم

بن یزید وغیرہ کی بارگاہ نبوت میں حضوری کا ذکر ،(۸۸) بارگاہ نبوی میں پہنچ کر آنحضورؐ سے مفاخرہ کے انعقاد کی اجازت اور بنوتمیم کے عطارد کا جواب دینے کے لیے آنحضور کا ثابت بن قیس کو منتخب کرنا اور پھر اشعار کے ذریعہ باہمی تفاخر کی روایت طبری ج ۴ ص ۱۷۱۴، سے ماخوذ ہیں ،(۸۹) وفد ثقیف جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے اسلام قبول کرنے کے لیے بعض شرائط آپ کے سامنے رکھیں لیکن آپ نے ان کو شرط نہیں مانا ، بالآخر وفد نے شرطیں واپس لے لیں ، اس کے بعد آپ نے وفد سے اپنے بتوں کی نسبت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ انہیں توڑ دیا جائے گا ، چنانچہ سفارت واپس جانے کے بعد آپ نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو شرط کے موافق طائف کے صنم اعظم ''لات'' کو توڑنے کے لیے بھیجا ، چنانچہ جب مغیرہ نے بت کو ڈھانا چاہا تو عورتیں روتی ہوئی ننگی گھروں سے نکل آئیں اور اشعار پڑھتی جاتی تھیں ، یہ روایت طبری ج ۴ ص ۱۱۹۲ سے لی گئی ہے ،(۹۰) اس کے بعد ''تاسیس حکومت الٰہی'' کا پورا باب اضافہ ہے ، اس لیے اس کو قلم انداز کر دیا گیا ہے ، مدینہ پہنچنے پر آپ نے پہلے قبا میں قیام کیا ، یہاں سے آپ جمعہ کے روز روانہ ہوئے ، بنی سالم کے محلّہ میں پہنچ کر آپ نے نماز جمعہ ادا فرمائی ، یہ اواخر ربیع الاول ۱ھ کا واقعہ ہے ، روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے سب سے پہلے نماز جمعہ یہیں ادا کی ، (۹۱) عید کی نماز ۲ھ میں مسنون ہوئی (۹۲) صلوٰۃ الخوف کا حکم ۵ھ میں نازل ہوا (۹۳) اس کی شہادت ابوداؤد اور ابن سعد وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

مولانا شبلی نے عید کے دن صدقۂ فطر کی ادائیگی کے وجوب کا اثبات طبری ج ۳ ص ۱۲۸۱ سے کیا ہے۔(۹۴) اسی طرح محصلین زکوٰۃ کی ۹ھ میں تقرری (۹۵) حضور کی تاریخ وفات کے تعین کے سلسلے میں طبری کی روایت کا ناقدانہ جائزہ سید صاحب کے قلم سے ہے (۹۶) وفات رسول کے بعد حضرت عمر کا اس شخص کا سر اڑا دینے کا واقعہ طبری سے ماخوذ ہے ،(۹۷) آپ کے مویشیوں کے متعلق طبری کی بیان کردہ روایات پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ طبری نے ان تمام جانوروں کے نام اور حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور اگر وہ قابل اعتبار ہوتے تو حقیقت میں نہایت دلچسپ ہوتے لیکن اس کے متعلق طبری کی جس قدر روایتیں ہیں سب بلا استثنا واقدی سے ماخوذ ہیں ، طبری کے علاوہ بڑے بڑے محدثین مثلاً یعمری ، مغلطائی اور حافظ عراقی وغیرہ نے بھی اس قسم کی تفصیلات بہم پہنچائی ہیں لیکن چونکہ یہ مصنفین کا اکثر سلسلہ سند نہیں لکھتے اس لیے اکثر لوگ ان کے مستند ہونے کی بنا پر اس واقعہ کو صحیح خیال کر لیتے ہیں لیکن جب مزید تفتیش کی جاتی ہے تو اس قسم کی تمام روایتوں کا سلسلہ سند واقدی سے آگے نہیں بڑھتا ، مولانا نے اسی لیے ان روایتوں کو ناقابل اعتبار تصور کیا ہے ،(۹۸) اس کے جانوروں کی جو تفصیلات کتب احادیث سے ثابت ہیں ان ہی کو لیا ہے ،(۹۹) ہند کی بیعت کا واقعہ طبری ج ۳ ص ۱۶۴۳ سے ماخوذ ہے ،(تخریج

مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم نے کی ہے، مولانا شبلی نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔

اس کے بعد کے واقعات کی تفصیلات میں طبری کا اور کوئی حوالہ نظر سے نہیں گزرا۔

خلاصۂ بحث:

سیرۃ النبی شبلی میں روایات طبری کے اس تنقیدی جائزے سے یقیناً اندازہ ہوا ہوگا کہ مولانا نے طبری کی وہی روایتیں اپنی سیرۃ میں نقل کی ہیں جن کی تائید و توثیق دوسری مستند کتب سیر و احادیث سے ہوتی ہے، اگر کہیں کسی روات میں سقم یا ضعف نظر آیا تو باقاعدہ اس کو اصول درایت کی روشنی میں جانچا اور پرکھا ہے، آنکھ بند کر کے تمام روایتیں قبول نہیں کر لی ہیں بلکہ ضرورت پڑنے پر طبری پر تنقید بھی کی ہے، چوں کہ طبری بنیادی طور پر تاریخ کی کتاب ہے اس لیے مولانا شبلیؒ نے اس سے وہی واقعات نقل کیے ہیں جن کا تعلق براہ راست تاریخ سے ہے، کلام و عقائد اور فقہ و فلسفہ پر ماخذ طبری کے بجائے حدیث و فقہ کی کتابیں ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیرۃ النبی شبلی حصہ اول و دوم اردو زبان و ادب کی ایک مستند اور اعلیٰ پائے کی بے نظیر تصنیف ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج۲ص۲۳۲، مطبع وسنہ اشاعت ندارد

(۲) معجم الادبا ج۶، ص۴۳۰، مطبع ہندیہ بالموسکی، مصر۱۹۱۳ء

(۳) ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج۲، ص۲۳۲،۲۳۳

(۴)

(۵) ابن خلکان، وفیات الاعیان ج۲، ص۲۳۲

(۶) معجم الادباء، ج، ص۴۲۶

(۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب لاہور، ج۱۲ص۴۰۴-۴۰۵ پاکستان

(۸) عربوں میں تاریخ نگاری کا ارتقا، ڈاکٹر محمود الحسن ص ۱۸۷ بحوالہ اردو نثر میں سیرت رسول، ڈاکٹر انور محمود خالدی ص۱۴۲، اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور، ۱۹۸۹ء۔

(۹) اردو نثر میں سیرت رسول

(۱۰) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی جلد اول ص، طبع جدید

(۱۱) میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۵)

(۱۲) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی جلد اول ص ۳۷

(۱۳) ایضاً ص ۳۶

(۱۴) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ص ۳۵

(۱۵) مکاتیب شبلی ص ۲۰۲، مطعارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۶۶ء

(۱۶) اردو دائرہ معارف اسلامی ج ۱۲، ص ۴۰۵

(۱۷) سیرۃ النبی جلد اول ص ۳۸

(۱۸) ایضاً (حاشیہ)

(۱۹) ایضاً ص ۱۹

(۲۰) ایضاً

(۲۱) ایضاً ص ۲۳

(۲۲) ایضاً ص ۳۴، فن سیرت پر تبصرہ

(۲۳) ایضاً ص ۳۵

(۲۴) ایضاً ص ۳۷

(۲۵) ایضاً ص ۳۸

(۲۶) ایضاً ص ۶۹

(۲۷) ایضاً ص ۱۱۴، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۱۱۸

(۲۸) ایضاً ص ۱۱۷، نیز دیکھیے: طبری ج ۳ ص ۱۱۳۰

(۲۹) ایضاً ص ۱۳۳، نیز دیکھیے: طبری ج ۳ ص ۱۱۳۰

(۳۰) ایضاً ص ۱۷۱، ۱۷۲

(۳۱) ایضاً ص ۱۷۲

(۳۲) ایضاً ص ۱۷۴، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۱۸۹

(۳۳) ایضاً ص ۱۷۵

(۳۴) ایضاً ص ۱۷۸

(۳۵) حوالے کی تخریج مولانا سید سلیمان ندوی نے کی ہے اور ابن ہشام میں بھی یہ واقعہ موجود ہے، جس کی تخریج مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم نے کی ہے، دیکھیے: ص۱۸۱

(۳۶) شبلی نعمانی، ص۱۸۶، نیز دیکھیے: طبری ج۳، ص۱۲۶۰

(۳۷)

(۳۸) ایضا، ص۲۱۳، نیز دیکھیے: طبری ج۳ ۱۲۶۱

(۳۹) ایضا، ص۲۲۳، نیز دیکھیے: طبری ج۳، ص۱۲۷۵

(۴۰) ایضا، ص۲۳۲، نیز دیکھیے: طبری ج۳ ص۱۳۲۹، ۱۳۳۰

(۴۱) ایضا، ص۲۳۳

(۴۲) ایضا، ص۲۳۶، نیز دیکھیے: طبری ج۳ ص۱۳۴۴

(۴۳) ایضا، ص ۲۳۸، نیز دیکھیے: تاریخ طبری ج۳ ص ۱۳۳۸، ابوداؤ میں بھی یہ روایت موجود ہے،

(۴۴) ایضا، ص۲۴۵

(۴۵) ایضا، ص۲۵۱، نیز دیکھیے: طبری ج۳، ص۱۲۸۹

(۴۶) ایضا، ص۲۵۶، نیز دیکھیے: طبری ج۳ ص ۱۲۸۵

(۴۷) ایضا، ص۳۵۷

(۴۸) طبری، ج۳، ص۱۲۸۹

(۴۹) شبلی نعمانی، ص۲۶۲، نیز دیکھیے: طبری، ج۳ ص ۱۳۸۹

(۵۰) ایضا، ص۲۶۳

(۵۱) ایضا، ص۲۶۴

(۵۲) ایضا، ص۲۶۵، نیز دیکھیے: طبری ج۳ ص ۱۳۹۹، ابن ہشام میں بھی یہ روایت موجود ہے

(۵۳) ایضا، ص۲۹۲

(۵۴) ایضا، ص۲۹۴، ۲۹۵

(۵۵) ایضا، ص۳۰۲

(۵۶) ایضا، ص۳۰۹

(۵۷) ایضا، ص۳۱۵، نیز دیکھیے: طبری ج۳، ص۱۴۶۱

(۵۸) ایضا

(۵۹) ایضا، ص۳۲۹

(۶۰) ایضا، ص ۳۳۵، نیز دیکھیے: طبری، ج ۳، ص ۱۵۰۲
(۶۱) ایضا، ص ۳۳۶، نیز دیکھیے: طبری، ج ۳، ص ۱۵۹۱
(۶۲) شبلی نعمانی، ص ۳۴۱ (حاشیہ)، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۵۰۲
(۶۳) ایضا، ص ۳۴۴، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۵۷۵
(۶۴) ایضا، ص ۳۴۶، نیز دیکھیے: طبری، ج ۳، ص ۱۵۷۹
(۶۵) ایضا، ص ۳۴۷، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۵۷۹
(۶۶) ایضا، ص ۳۴۷، ۳۴۸، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۵۸۹
(۶۷) ایضا، ص ۳۵۰
(۶۸) ایضا، ص ۳۵۱، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۵۸۲
(۶۹) ایضا، ص ۳۵۱، ۳۵۲، نیز دیکھیے: طبری ج ۳ ص ۱۵۸۲
(۷۰) ایضا، ص ۳۵۲، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۵۸۲
(۷۱) ایضا، ص ۳۶۲، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۶۲۰
(۷۲) ایضا، ص ۳۶۵، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۶۳۲
(۷۳) ایضا، ص ۳۷۰، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۶۶۴
(۷۴) ایضا، ص ۳۷۸، ۳۷۹، نیز دیکھیے: طبری ج ۳ ص ۱۵۴۶، ۱۵۴۵
(۷۵) ایضا، ص ۳۷۸، ۳۷۹، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۶۵۵ تا ۱۶۵۷
(۷۶) ایضا، ص ۳۸۰، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۶۶۰
(۷۷) ایضا، ص ۳۸۵
(۷۸) ایضا، ص ۳۸۵
(۷۹) ایضا، ص ۳۸۹
(۸۰) ایضا، ص ۴۰۶، ۴۰۷
(۸۱) ایضا، ص ۴۳۰، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۶۴۹
(۸۲) ایضا، ص ۴۳۰
(۸۳) ایضا، ص ۴۳۰، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۶۵۱
(۸۴) ایضا، ص ۴۳۵، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ۱۶۴۹ تا ۱۶۵۱
(۸۵) سیرۃ النبی ج ۲، ص ۱۷، ۱۸، نیز دیکھیے: طبری ج ۳، ص ۱۶۴۹ تا ۱۶۵۱

(۸۶) ایضا،ص۲۰،نیز دیکھیے:طبری ج۴،ص۱۷۰۶

(۸۷) ایضا،ص۲۳،نیز دیکھیے:طبری،ج۴ص۱۷۶۳

(۸۸) شبلی نعمانی،ص۲۹،نیز دیکھیے:طبری ج۴،ص۱۷۱۱

(۸۹) ایضا،ص۳۰

(۹۰) ایضا،ص۳۷

(۹۱) ایضا،ص۹۰،نیز دیکھیے:طبری

(۹۲) ایضا،ص۹۱،نیز دیکھیے:طبری ج۳،۱۲۸۱

(۹۳) ایضا،ص۹۱،نیز دیکھیے:طبری ج۳،۱۴۵۴

(۹۴) ایضا،ص۹۴

(۹۵) ایضا،ص۹۴،۹۵۔،نیز دیکھیے:طبری ج۳،ص۱۲۸۱،ج۴ص۱۸۱۵

(۹۶) ایضا،ص۱۳۲تا۱۳۴،نیز دیکھیے:طبری ج۳،ص۱۲۸۱وج۴ص۱۷۲۲

(۹۷) ایضا،ص۱۴۲،نیز دیکھیے:طبری ج۴،ص۱۸۱۷

(۹۸) ایضا،ص۱۴۷

(۹۹) ایضا،ص۱۴۷

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆